محمد عمر فاروق

کیا سر ظفر اللہ خان تحریک پاکستان میں شامل تھے؟

اے این پی کے رہبر خان عبد الولی خان کچھ عرصہ کی خاموشی کے بعد پھر بانیٔ پاکستان محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے درپے ہیں۔ انہوں نے چند سال پہلے اپنی کتاب میں یہ مضحکہ خیز دعویٰ کیا تھا کہ قرارداد پاکستان سابق وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان قادیانی نے تیار کی تھی۔ چونکہ سر ظفر اللہ خان قادیانی کا تحریک پاکستان میں کردار جناب ولی خان کے دعویٰ کی نفی کرتا ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

یہ حقیقت ذہن میں رہنی چاہیے کہ آنجہانی چودھری ظفر اللہ خان سکہ بند قادیانی تھے اور وہ اپنے قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کے تمام احکامات کو مقدم سمجھتے اور ان کی بجا آوری کو مذہبی فریضہ جان کر انجام دیتے۔ جس کی تصدیق ظفر اللہ خان کی کتاب "تحدیث نعمت" سے کی جا سکتی ہے۔ قادیانی جماعت روز اول سے ہی تحریک آزادی اور آخر میں تحریک پاکستان کی شدید مخالف رہی۔ اہل نظر بخوبی آگاہ ہیں کہ قادیانیت کی اٹھان ہی انگریز کی بلامشروط اطاعت سے ہوئی تھی اسلئے ان کا ہر قدم اور عمل انگریز سرکار کی خوشنودی کے لئے ہوتا تھا۔ خود بانیٔ قادیانیت آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی، اپنے آپ کو "انگریز کا خود کاشتہ" پودا کہلاتے اور انگریزی حکومت کے وفادار ہونے پر خوشی سے بغلیں بجاتے تھے۔ نیز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مجاہدین کے خلاف اپنے والد مرزا غلام مرتضیٰ کی انگریزی خدمات کا تذکرہ کرنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ مرزا قادیانی کی کتب انگریز حکومت کی تعریفوں سے بھری پڑی ہیں۔ مرزا کے فرزند و جانشین مرزا بشیر الدین محمود بھی سرکار برطانیہ کی خدمت گزاری میں اپنے والد سے کم نہ تھے۔ مرزا بشیر الدین نے ہی سر ظفر اللہ خان کو حکومت برطانیہ کے ایماء پر فلسطین کے دورے پر بھیجا تھا۔ جنہوں نے صیہونی ریاست اسرائیل کے قیام کے لئے اپنی صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔

پنجاب میں انگریزوں کے سب سے بڑے حاشیہ بردار سر فضل حسین تھے۔ وہ جناح صاحب کا پنجاب میں مقبول ہونا سخت ناپسند کرتے تھے۔ جب بانیٔ پاکستان محمد علی جناح نے مجلس احرار اسلام، جمعیت علماء ہند اور دیگر مسلمان حریت پسند جماعتوں کے ساتھ مل کر مسلم پارلیمنٹری بورڈ بنایا تھا تو انہی سر فضل حسین کی کارستانیوں کے طفیل جناح کا مسلم اتحاد کا وہ خواب چکنا چور ہو گیا تھا۔ سر فضل حسین گورنمنٹ کی ہدایت پر ظفر اللہ خان پر حد درجہ مہربان تھے۔ آپ نے پہلی گول میز کانفرنس میں سر ظفر اللہ خان کو لندن بھجوایا جس کا مقصد ان کے اپنے بقول یہ تھا کہ "سر ظفر اللہ خان کانفرنس میں کانگریسی لیڈروں کی غیر موجودگی میں

محمد علی جناح کو دو بدو جواب دے اور یہ کہہ سکے کہ جناح کے خیالات ہندوستانی مسلمانوں کے خیالات نہیں ہیں (سر ہیلکم ہیلی کے نام سر فضل حسین کا خط، ۱۰ مئی ۱۹۳۰ء) گویا گول میز کانفرنس میں ظفر اللہ خان، محمد علی جناح کے بالمقابل چنے گئے اور انہوں نے یہ خدمت بھی بطریق احسن انجام دی۔

لندن سے واپسی پر ۲۵ دسمبر ۱۹۳۱ کو آل انڈیا مسلم لیگ دہلی کے اجلاس کی صدارت کے لئے قادیانیوں نے شب خون مارا اور ظفر اللہ خان کی صدارت کا اعلان کر دیا۔ جس کا رد عمل مسلمانوں میں شدید ہوا اور ان کی یہ سازش ناکام بنادی گئی۔ تو قادیانیوں نے مسلم لیگ کو دو دھڑوں میں تقسیم کرادیا۔ ظفر اللہ خان مسلمانوں میں اپنی قادیانیت اور سازشی ذہن کی وجہ سے مشکوک اور "متروک" ہو گئے۔ اس ناپسندیدگی کا اظہار نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ صف اوّل کی مسلمان قیادت میں بھی پایا جاتا تھا۔ جس کا اظہار علامہ محمد اقبال کے اس خط سے بھی ہوتا ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب ۱۹۳۱ء میں مجلس احرار اسلام کی تحریک کشمیر کے نتیجے میں پچاس ہزار افراد گرفتار ہوئے تھے۔ بعد ازاں اکثر اسیروں پر مقدمات قائم کیے گئے جو طویل عرصہ تک چلتے رہے۔ ۱۹۳۴ء میں علامہ اقبال نے بعض مقدمات کی پیروی کے لئے مسٹر نعیم الحق اور شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ کو آمادہ کیا۔ اسی دوران میرپور کے ایک مقدمہ کے کاغذات انہیں موصول ہوئے اور علامہ اقبال یہ مقدمہ بھی مسٹر نعیم الحق ایڈووکیٹ کے سپرد کرنا چاہتے تھے کہ معلوم ہوا کہ اس کیس کی پیروی چودھری ظفر اللہ خان کریں گے۔ جس پر علامہ اقبال نے لکھا کہ "چودھری ظفر اللہ خان کیوں اور کس کی دعوت پر وہاں جا رہے ہیں۔ شاید کشمیر کانفرنس کے بعض لوگ ابھی تک قادیانیوں سے خفیہ تعلقات رکھتے ہیں (مکاتیب اقبال صفحہ ۴۳۵)

گول میز کانفرنسوں میں سر ظفر اللہ خان مسلمانوں کے ہر جائز مسئلے اور مطالبے کی مخالفت پر کمر بستہ رہے۔ یہاں تک کہ "تیسری گول میز کانفرنس کے موقع پر لفظ پاکستان اور پاکستان سکیم کو طلباء کی سکیم اور اسے ناقابل عمل اور باطل خیال قرار دیا" (قائداعظم از جی الانہ میں ۳۰۷)

ظفر اللہ خان کی ان برطانوی خدمات کا سر سیموئل ہور وزیر ہند نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ "ہندوستان میں ان کا مستقبل نہایت شاندار ہے اور امید ظاہر کی کہ آپ دولت برطانیہ کے ہمیشہ مخلص رہیں گے۔ (الفضل قادیان ۲۴ جولائی ۱۹۳۴)

جب سر فضل حسین ۱۹۳۴ء میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل سے علیحدہ ہوئے تو انہوں نے ظفر اللہ خان کو اپنا جانشین مقرر کرانا چاہا۔ سر فضل حسین ایسے قدیمی خدمت گزار کی بات انگریز کب ٹال سکتا تھا۔ لہذا اس تجویز پر حکومتی حلقوں میں غور و خوض شروع ہوا۔ جب اس کی اطلاع مسلمانوں کو ہوئی تو اس پر شدید احتجاج ہوا۔ مجلس احرار اسلام کا ایک وفد وائسرائے سے ملا جس میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، میر احمد حسین شملہ اور مسٹر محمود احمد کاظمی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ الہ آباد شامل تھے۔ وفد نے مسلمانوں کی سیٹ پر قادیانی نمائندے کی تقرری پر احتجاج کیا لیکن سر فضل حسین اور قادیانیوں کی دوہری حمایت کے صلے میں

۱۰/۱۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو سر ظفر اللہ کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر نامزد کردیا گیا۔

۱۹۳۴ء میں پنڈت نہرو نے قادیانیوں کی حمایت میں مضمون شائع کیا تو اس کے جواب میں علامہ محمد اقبال نے کئی مضامین لکھے۔ جس پر قادیانی حلقوں میں بجلی کوند گئی اور قادیانی علامہ اقبال کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگئے۔ اور کانگریس سے راہ ورسم بڑھانے لگے۔ ۱۹۳۶ء میں قادیانیوں نے لاہور کے مقام پر پنڈت نہرو کا زبردست استقبال کیا جس میں سر ظفر اللہ خان کے حقیقی بھائی چودھری اسد اللہ خان اپنے بھائی کی نمائندگی کے لئے موجود تھے۔ (الفضل ۳۱، مئی ۱۹۳۶)

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء میں جب مسلمانان ہند نے قرارداد پاکستان منظور کی تو قادیانی بوکھلا گئے اور تحریک پاکستان کی راہ میں روڑے اٹکانے کے لئے تیزی سے سرگرم ہوگئے۔ ظفر اللہ خان نے ۱۲، مارچ ۱۹۴۰ء کو لارڈ لنلتھگو کے نام ایک طویل خط میں علیحدہ مسلم ریاست کے قیام کی شدید مخالفت کی۔ گویا انہوں نے قرارداد پاکستان کی منظوری سے قبل ہی انگریز سرکار کے لئے جاسوسی کا آغاز کردیا تھا۔

قادیانی قیام پاکستان کو اپنی جماعت کے لئے مضر خیال کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پاکستان کی مخالفت کے لئے کانگریس کی ہمنوائی سے بھی دریغ نہیں کررہے تھے۔ تحریک پاکستان میں ڈیڈلاک پیدا کرنے کے لئے ظفر اللہ خان کسی سے پیچھے نہ تھے۔ ان کی بھرپور کوشش تھی کہ پاکستان معرض وجود میں نہ آئے۔ جس کے لئے انہوں نے ۱۹۴۴ء میں ایک پمفلٹ بھی تحریر کیا۔ جس کا نام "دی ہیڈ آف احمدیہ موومنٹ" تھا اور انہوں نے اس میں مرزا بشیر الدین محمود کے پاکستان دشمن خیالات ونظریات اور ان کی شخصیت کو پیش کیا۔ اس میں ظفر اللہ نے مرزا بشیر الدین کے نظریات کی ترجمانی کرتے ہوئے اور اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "مرزا بشیر الدین محمود احمد "اکھنڈ بھارت" کے موئید ہیں اور پاکستان جیسی علاقائی تحریک کے مخالف ہیں (سر ظفر اللہ، دی ہیڈ آف احمدیہ موومنٹ صفحہ ۲۶، لندن) اس پمفلٹ کو وسیع پیمانے پر ہندوستان بھر میں پھیلایا گیا۔ مذکورہ عبارت سے ظفر اللہ اور مرزا بشیر الدین کے پاکستان دشمن خیالات پر غور فرمائیے۔ ایک طرف تو وہ، بعد میں مسلم لیگ کی محبت کا دم بھرنے لگے تھے۔ اور دوسری طرف اکھنڈ بھارت کے منصوبے کو بھی پروان چڑھارہے تھے۔ اسی اثناء میں مرزا بشیر الدین نے قادیان کو خود مختار اور علیحدہ ریاست کے طور پر برقرار رکھنے کے لئے خاص تگ ودو کی۔ اس نے لیبر حکومت کو ایک میمورنڈم کے ذریعے قادیان کو رومن کیتھولک پوپ کے شہر ویٹیکن کا درجہ دینے کی استدعا کی جو مسترد کردی گئی۔ اور مزید برآں بشیر الدین محمود نے سکھ لیڈر وریام سنگھ سے آزاد پنجاب کے سوال پر گفت وشنید اور پنجاب کو تقسیم ہونے سے بچانے اور قادیان کے تحفظ کے لئے کافی دوڑ دھوپ کی جو کامیاب نہ ہوسکی (قادیانی ترجمان الفضل ۱۲ جنوری ۱۹۵۵ء)

۱۹۴۵ء مسلم لیگ کا عروج کا دور تھا۔ جب قادیانیوں نے بعض مصلحتوں کے پیش نظر مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔ لیکن درپردہ یونینسٹوں اور آزاد امیدواروں کے حق میں ووٹ ڈالے اور جب قادیانی

مذہبی ڈیرے داروں اور ان کے سیاسی شاطروں کی شدید مخالفت اور چالبازیوں کے باوجود پاکستان کا قیام ایک اٹل حقیقت بن کر دکھائی دینے لگا تو مرزا بشیر الدین، ظفر اللہ کے بھائی اسد اللہ خان اور دیگر قادیانیوں کے ہمراہ دہلی گئے اور وہاں ممتاز لیگی رہنماؤں کے علاوہ پنڈت نہرو سے بھی ملاقات کی۔ پاکستان کی واضح حقیقت نظر آنے پر مرزا بشیر الدین نے پینترا بدلا اور ۱۴ مئی ۱۹۴۷ء کو کہا کہ "میں قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے۔ لیکن قوموں کی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑے...... یہ اور بات ہے کہ ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں، بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح پھر متحد ہو جائیں (الفضل ۱۷ مئی ۱۹۴۷) مرزا کا یہ بیان اکھنڈ بھارت منصوبے کا بھی واضح اشارہ دیتا ہے۔ اس سے پہلے مرزا نے ۱۱ جون ۱۹۴۴ کو اپنی ایک تقریر میں پاکستان کے مطالبے کو غلامی مضبوط کرنے والی زنجیر قرار دیا تھا۔

اسی طرح ۳ جون ۱۹۴۷ کو مرزا بشیر الدین نے اپنے ایک پمفلٹ "سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل" میں لکھا کہ "میں دعاء کرتا ہوں کہ اے میرے رب میرے اہل ملک کو سمجھ دے۔ اول تو ملک بٹے نہیں اور اگر بٹے تو اس طرح بٹے کہ پھر مل جانے کے راستے کھلے رہیں" پھر ۳ اپریل ۱۹۴۷ء کو ظفر اللہ خان کے بھتیجے کی تقریب نکاح میں بھی انہی خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ "انہیں کوشش کرنی چاہیے کہ یہ حالت جلد دور ہو اور اکھنڈ ہندوستان بنے۔ جہاں ساری قومی شیر و شکر ہوں۔ (الفضل ۵ اپریل ۱۹۴۷ء)

ان بیانات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان قادیانیوں نے عوام اور رہنماؤں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے کیا تھا۔ جب کہ ان کے متذکرہ بیانات واعلانات ان کی مسلم دشمنی اور ملک دشمنی کے گواہ ہیں۔ سر ظفر اللہ اپنے اس روحانی پیشوا کے ہمنوا اور ہمرکاب تھے۔ اور انہوں نے مرزا بشیر الدین کے ہر قول و فعل پر حرف حرف تصدیق ثبت کیا۔

جب ہندوستان کی تقسیم اور اس کی حد بندی کا مرحلہ درپیش آیا تو پاکستان کی طرف سے باؤنڈری کمیشن کے تین ممبر منتخب ہوئے۔ جن میں جسٹس منیر احمد، ظفر اللہ خان اور جسٹس دین محمد شامل تھے۔ باؤنڈری کمیشن میں بحیثیت ممبر سر ظفر اللہ خان نے بھیانک کردار اداء کیا۔ علاوہ ازیں مسلم لیگ کے کیس کو کمزور کرنے کے لئے قادیانی جماعت نے کمیشن کے سامنے اپنا علیحدہ میمورنڈم پیش کیا جو آج بھی ریکارڈ پر موجود ہے سر ظفر اللہ خان اگرچہ مسلم لیگ کے وکیل تھے لیکن انہوں نے قادیانی جماعت کی وکالت کو مقدم رکھا۔ کمیشن کے تیسرے ممبر جسٹس دین محمد مسلم لیگ کے میمورنڈم کا مطالبہ کرنے کے تھوڑی دیر بعد ایک تقریب میں چودھری ظفر اللہ خان سے ملے۔ "انہوں نے علیحدگی میں چودھری ظفر اللہ کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرائی کہ میمورنڈم میں مسلم لیگی مطالبات کو عجیب طرح پیش کیا گیا تھا۔ جس کا نتیجہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ چودھری ظفر اللہ خان نے جواب دیا کہ مسلم لیگ نے مجھے وکیل مقرر کیا ہے۔ مطالبات مرتب کرنا مسلم لیگ کا کام تھا۔ وکیل کا کام صرف موکل کے مطالبات کی وکالت کرنا ہے (مارشل لاء سے مارشل لاء تک

از نور احمد،)

اس بیان سے ظفر اللہ خان کا منافقانہ اور سازشی کردار عیاں ہوتا ہے۔ ظفر اللہ خان کی عیاری سے ہی گورداسپور، کشمیر اور پٹھان کوٹ کے مسلم اکثریتی علاقے ہندوستان کی طرف چلے گئے کیونکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ قادیان جو کہ ضلع گورداسپور میں تھا، ہندوستان میں ہی رہے۔ جب کبھی قادیانیوں پر پاکستان میں مشکل وقت آئے تو قادیان ان کے لئے مضبوط پناہ گاہ کا کام دے سکے۔ ممتاز مسلم لیگی رہنما میاں امیر الدین مرحوم نے ۶ اگست ۱۹۸۴ء کو "ہفت روزہ چٹان" سے ایک انٹرویو میں اعتراف کیا ہے کہ "باؤنڈری کمیشن کے مرحلہ پر ظفر اللہ خان کو مسلم لیگ کا وکیل بنانا مسلم لیگ کی بہت بڑی غلطی تھی۔ جس کے ذمہ دار لیاقت علی خان اور چودھری محمد علی تھے۔ ظفر اللہ خان نے پاکستان کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ پٹھان کوٹ کا علاقہ اسی کی سازش کا بناء پر پاکستان کی بجائے ہندوستان میں شامل ہوا۔"

جب جناح صاحب کی قیادت میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ۲۹، جولائی ۱۹۴۶ء کے اجلاس میں راست اقدام کرنے کے فیصلے کے علاوہ یہ بھی فیصلہ کیا کہ اپنے اعزازات وخطابات جو غیر ملکی گورنمنٹ نے عطاء کیے ہیں۔ واپس کردیئے جائیں تو ظفر اللہ واحد آدمی تھے۔ جس نے انگریزوں کی یادگار اور ان کے عطاء کردہ خطاب "سر" کو واپس کرنے سے صاف صاف انکار کردیا تھا۔ جب ہفت روزہ "آتش فشاں" لاہور کے نمائندے نے ۹، مئی ۱۹۸۰ء، کو ظفر اللہ خان سے اس کی بابت سوال کیا تو انہوں نے کمال بے نیازی بلکہ ہٹ دھرمی سے جواب دیا کہ "میں ان باتوں کو کوئی وقعت نہیں دیتا کہ خطاب ملے نہ ملے اور اگر خطاب ہو تو چھوڑ دیا جائے یا رکھ لیا جائے۔

وہ خطاب چھوڑ بھی کیسے سکتے تھے کہ یہ ان کے فرنگی آقا کی نشانی تھی اور خدمت واطاعت فرنگ ان کے مذہب کا تقاضا اور منشا تھی۔ بانی پاکستان نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا تھا کہ "میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں"۔ جناح صاحب نوزائیدہ ملک پاکستان کے لئے انہیں کھوٹے سکوں سے ہی کام لے رہے تھے۔ انہوں نے اپنی مصلحتوں کے پیش نظر جنرل سر ڈگلس گریسی کو پاکستان آرمی کا کمانڈر چیف، سردار جوگندر ناتھ منڈل کو وزیر قانون اور ظفر اللہ خان کو وزیر خارجہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ جب ظفر اللہ نے وزارت خارجہ جیسے اہم منصب کو قادیانیت کی بیرون ملک تبلیغ اور پاکستان کی خارجہ پالیسی کو سامراجیت کی بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اپنے فرائض کا ناجائز فائدہ اٹھایا تو جناح صاحب نے ان کی سازشوں سے آگاہ ہوتے ہی انہیں وزارت خارجہ سے نکالنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں کشمیر سے واپسی پر کراچی میں راجہ صاحب محمود آباد کو آپ نے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "سر ظفر اللہ کی وفاداریاں مشکوک ہیں میں ان پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہوں اور عملی اقدامات اٹھانے کے لئے اب مجھے مناسب وقت کا انتظار ہے" (بحوالہ قائد اعظم کی تقاریر)

لیکن آپ کی دن بدن گرتی ہوئی صحت اور پھر اچانک رحلت کی وجہ سے یہ معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ جناح صاحب کی زندگی میں ظفر اللہ خان محتاط اور چوکنا تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد جب کہ ابھی ان کا جسد

خاکی لحد میں بھی نہ اترا تھا ظفر اللہ خان کی قادیانیت میں اُبال آیا اور انہوں نے بانی پاکستان اور اپنے عظیم محسن کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر کے نمک حرامی اور محسن کشی کی مثال قائم کردی جب ان سے جنازہ نہ پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا۔ تو انہوں نے انتہائی دیدہ دلیری سے زہر افشانی کرتے ہوئے جواب دیا کہ "مجھے کافر حکومت کا مسلمان وزیر یا مسلمان حکومت کا کافر وزیر سمجھ لیں۔" ان کا یہ کہنا اس پس منظر میں تھا کہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا غلام احمد قادیانی کو نہ ماننے والے تمام لوگ کافر ہیں۔ انہوں نے جناح صاحب کو بین السطور اکن الفاظ سے پکارا.........اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ سر ظفر اللہ خان اور ان کی جماعت نے قادیانی پوپ پال کے حکم پر قیام پاکستان کو ناممکن بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن اللہ کے فضل و کرم سے ایسے غداروں کے ناپاک ارادوں کے علی الرغم پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھر کر رہا۔ تحریک پاکستان میں ظفر اللہ خان اور ان کی جماعت کی آخری دور میں شمولیت فقط انگریز کے ایک مہرے کے طور پر تھی۔ تاکہ مسلم لیگ کے اکابر کی سرگرمیوں کی رپورٹ ان کے ذریعے حکام تک پہنچتی رہے۔ اور در پردہ قادیانی مسلمانوں کے لئے مسائل و مشکلات پیدا کرتے رہیں۔ ایسے ہی احسان ناشناسوں کی بدولت ملک وقوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا جس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ ظفر اللہ خان اگر قادیان بچانے کے لئے کشمیر کا سودا نہ کرتے تو آج کشمیری مسلمان پاکستان کی آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہوتے۔ اسی طرح ظفر اللہ خان نے ملکی خارجہ پالیسی کو برطانوی اور امریکی سامراج کی حسب منشا اس طرح ترتیب دیا کہ پاکستانی قوم آج تک ان کے چنگل سے نہیں نکل سکی اور ستم یہ کہ بیرونی پاکستانی سفارت خانوں کے ذریعے قادیانیت کی تبلیغ کر کے سینکڑوں سادہ لوح مسلمانوں کو ارتداد کا شکار کیا۔ ممتاز صحافی جناب حمید نظامی مرحوم کے بقول "پاکستانی سفارت خانے قادیانی تبلیغ کے اڈے بنے ہوئے تھے" وطن عزیز اور عوام آج جن اقتصادی اور سیاسی مسائل کا شکار ہیں اگر ان کا بغور جائزہ لیا جائے تو منکشف ہوگا کہ اس تمام بگاڑ کے پیچھے سر ظفر اللہ خان، ایم ایم احمد، جنرل نذیر احمد، جنرل عبدالعلی، جنرل اختر حسین اور ڈاکٹر عبدالسلام ایسے قادیانیوں کا نادیدہ ہاتھ کارفرما ہے۔

چاہے یہ بحران ناقص خارجہ پالیسی کی شکل میں ہیں یا ابتر معاشی منصوبہ بندیوں کی صورت میں۔ یہ بحران ہم پر مسلط کی گئیں ۱۹۶۵ء یا ۱۹۷۱ء کی جنگوں کی شکل میں تھے یا سائنسی ترقی اور ٹیکنالوجی کی عدم فراہمی میں رکاوٹوں اور مسائل کی صورت میں، ان سب میں یہ حضرات اپنے قادیانی پیشواؤں کی ہدایات پر کسی نہ کسی طرح ملوث رہے ہیں۔ اور یہ تمام ناقابل تردید حقائق آن دی ریکارڈ ہیں۔ بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان تو برسوں پہلے منکرین ختم نبوت کی دسیسہ کاریاں دیکھ کر کہہ گئے ہیں۔

مسیلمہ کے جانشیں، گِرہ کٹوں سے کم نہیں
کتر کے جیب لے گئے، پیمبری کے نام